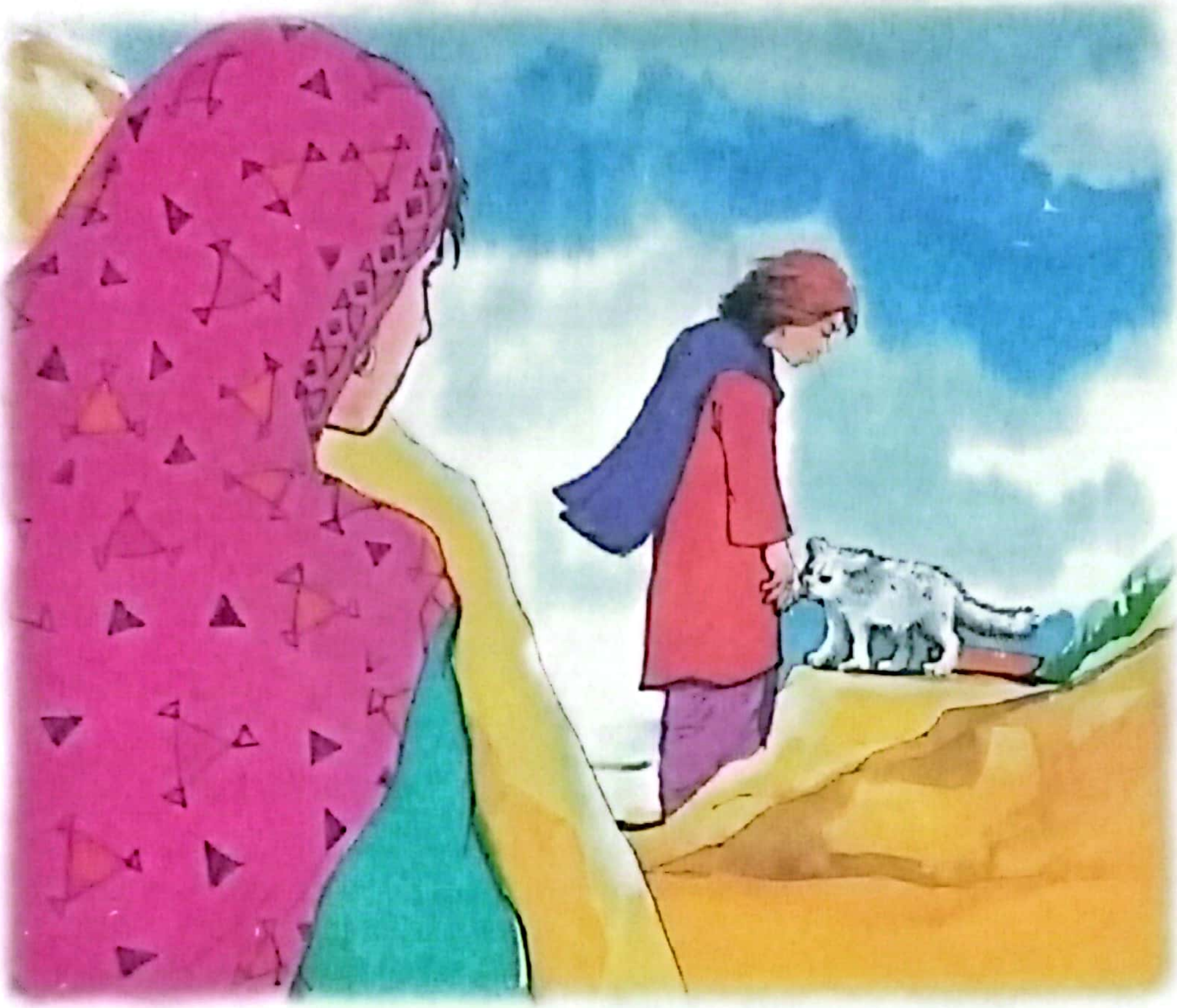
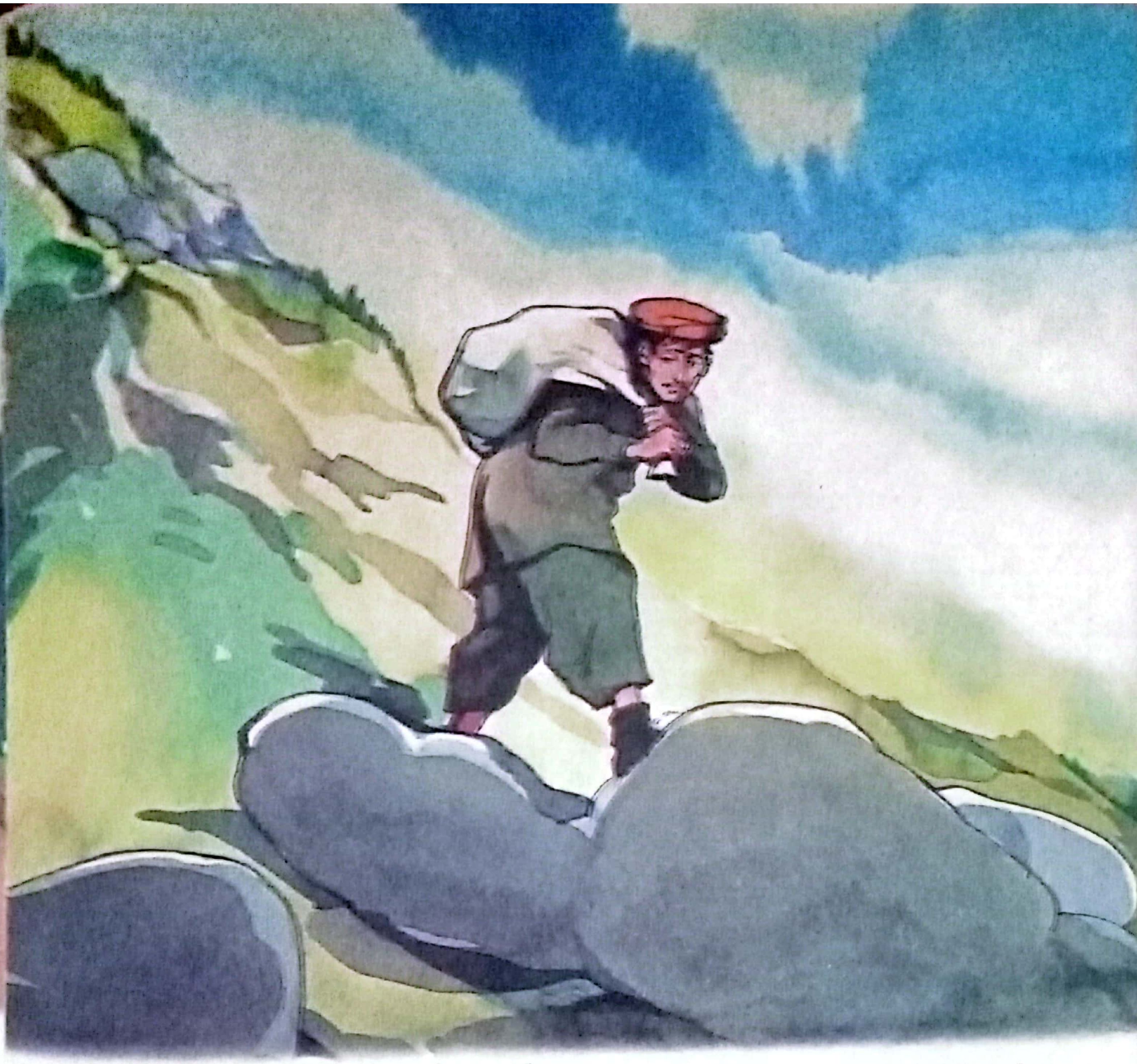
برف کا گالا



برف کا گالا



زوہیر علی شریف



محمد یاسین آہستہ آہستہ پیر جماتا، پھِسلواں تنگ گلی سے گُزر رہا تھا۔
یہ ڈھلوان اَستور کے بازار کو جاتی تھی۔ اَستور شمالی پاکستان کے پہاڑی علاقے میں تین ہزار میٹر کی بُلندی پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کا دِل بوجھل تھا۔
اس کے کندھے بھی جیسے اس بوجھ سے جُھک سے گئے تھے۔
وہ اپنے گاؤں سے سویرے تڑکے نکل کھڑا ہوا تھا۔ جو شہر سے بیس (20) کلومیٹر دور اور تین سو (300) میٹر اُونچا تھا۔

اس کی مضبوط پیٹھ پر سامان سے بھری بوری تھی۔ اَستور کے بازار میں وہ گلگت سے آئے سوداگروں کے ہاتھ اس سامان کو بیچنا چاہتا تھا۔ گلگت تو اَستور سے بھی کہیں دور تھا۔ یاسین ہفتوں سے اس سودے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اُس کے گاؤں میں کاشت کاری سال کے چند مہینوں میں ہی ممکن تھی۔
وہ مشکل سے اپنے گزارے کے لیے اس میں فصل اُگا پاتے تھے۔
زندگی کی معمولی ضرورتوں کی خاطر یاسین کو اکثر و بیشتر دور سے آنے جانے والوں کے لیے گائیڈ کا کام بھی کرنا پڑتا۔
وہ گاؤں کی عورتوں کی بنائی ہوئی چیزیں شہر کے بازار میں بیچنے کے لیے لاتا۔
جن کی خاطر اُسے گاؤں گاؤں گھومنا پڑتا۔

اس کی بیوی اور بیٹی نے رات دن اَن تھک کام کر کے، اَستور کے بازار میں بیچنے کو شالیں، ٹوپیاں اور میز پوش کاڑھ کاڑھ کر اپنی آنکھیں دُکھا لی تھیں۔
اُن کی قیمت سے گھر کی کتنی ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں۔ ان تینوں کی شامیں چولھے کے پاس بیٹھ کر اس خرید و فروخت کی باتیں کرتے گزرتیں اور ان کے چہروں سے خوشی اور اُمنگ چھلک چھلک پڑتی۔ ہر بار فہرست آگے پیچھے ہوتی اور خریدنے والی چیزوں میں اضافہ ہوتا رہتا۔

آخر منڈی کا دن آ ہی گیا۔ یاسین سب کی اُمنگیں اُمیدیں لیے اپنی جھونپڑی سے سات گھنٹے کے طویل اور دُشوار سفر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یہ ڈھلوان راستے اَستور تک جاتے تھے۔ اُس کا دِل بُجھا ہوا تھا۔

سوداگر سے ساری تکرار کے باوجود، وہ صرف چار سو روپے کما سکا تھا۔
ہفتوں کی جان توڑ محنت کا بس یہی مول ٹھہرا۔ اُس کا جی اس بات سے دُکھ رہا تھا کہ چھ مہینے میں یہی سامان غیر ملکی سیاحوں کو یا میدانی علاقوں کے کھاتے پیتے لوگوں کو چار ہزار میں آسانی سے بیچ دیا جائے گا۔ اس کو اُمید تھی سوداگر اُسے ایک ہزار روپیہ تو دے ہی دے گا۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ سوداگر اس کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔ مگر وہ کیا کرتا؟ وہ خود تو گلگت جا نہیں سکتا تھا۔ اس سارے چکر میں تو دو چار دن لگ جاتے اور اتنے دن تک وہ صرف بیوی بچی پر گھر کا سارا کام کیسے چھوڑتا؟ ان کے علاقے میں گھر اِکا دُکا تھے اور ایک ہفتہ گھر سے دور رہنا ممکن نہ تھا۔

سوداگر نے یہ کہہ کر معاملہ نمٹایا کہ یا تو اس کی قیمت قبول کر لے یا سامان واپس لے جائے۔ یاسین کے پاس ماننے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، اس کی بیٹی اور بیوی دونوں بہت ناخوش ہوں گی۔

چار سو روپے سے وہ ضرورت کی چند ہی چیزیں خرید سکا۔ جو چیزیں اس کی اپنی ضرورت کی تھیں، وہ تو اس نے بالکل ہی چھوڑ دیں۔ جو کچھ بیوی نے کہا تھا اس میں سے بھی دو چار ہی لیں۔ نئی کلہاڑی کی اُسے بہت ضرورت تھی۔
وہ دیر تک اُسے خریدنے کا سوچتا رہا۔ لیکن اُس کی ضرورت پر اس کی بیٹی کی فرمائش غالب آگئی جو اس نے بہت جھجکتے جھجکتے کی تھی۔
رنگین کپڑوں والی پلاسٹک کی گڑیا۔

ننھی سی جان نے سینے پر و نے میں ماں کا ہا تھ ، جان مار کر بٹایا تھا۔ پرانی کلہاڑی کو تو پہاڑوں کے سلیٹی پتھروں سے تیز کر کے کچھ اور دن استعمال کیا جا سکتا تھا۔

گھر پلٹنے کو دیر ہو چکی تھی۔ یاسین نے چائے خانے کا رُخ کیا۔ جہاں وہ، گھر سے لایا کھانا، روٹی اور بکری کے دُودھ کا پنیر، گرم گرم چائے کے ساتھ کھائے گا۔ اور دن بھر کی بھوک اور تھکن مٹ سکے گی۔ چائے خانے کا مالک، اس کا دُور پار کا رشتہ دار تھا۔ دُکان بند ہونے پر رات گزارنے کو پلنگ اور بستر بھی مل سکتا تھا اور چائے کے پیسے بھی وہ اس سے نہ لیتا۔

ذرا ہی دیر میں وہ سوداگر بھی وہاں آگیا۔ جس کے ہاتھ اس نے چیزیں بیچی تھیں۔ یاسین نے شرمندگی اور بے چارگی سے ایک بار پھر اُس سے کہا۔ ''کچھ اور رُوپے مل جاتے تو۔۔۔'' سوداگر نے یاسین کا سارا مُقدمہ ہی ہنسی میں ٹال دیا اور بولا'' پہلے ہی بڑی مناسب قیمت مل چکی ہے تمہیں۔''

چند گھڑی سوداگر یاسین کو آنکھوں میں تولتا رہا۔ پھر یاسین سے سرگوشی میں کہا۔ ''ایک ترکیب سے ڈھیروں پیسے کما سکتے ہو۔'' یاسین تو ایسی ترکیب جاننے کو پہلے ہی بے چین تھا۔

سوداگر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر یہ اطمینان کیا کہ کوئی اور تو نہیں سُن رہا اور پھر بولا'' مجھے کسی نے بتایا ہے کہ ان پہاڑوں سے جس طرح تم واقف ہو، اس طرح کوئی دوسرا نہیں۔''



یاسین چُپ رہا۔ گویا سوداگر سے مُتفق ہو۔ اکثر و بیشتر وہ ان سارے پہاڑوں میں گھوم پِھر چکا تھا۔ وہ دستکاری کا سامان جمع کرنے کی خاطر، دُور دُور تک بکھری آبادیوں میں جایا کرتا اور اپنے گھر کے سامان کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اَستور کے بازار لے جاتا۔

سوداگر نے یاسین کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

وہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ یاسین پر اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس نے اور بھی دبی آواز میں پوچھا ''میرا خیال ہے تمہارے علاقے میں ابھی بھی برفانی چیتے مل جاتے ہیں۔''

یاسین نے کہا کہ ''ہاں مل تو جاتے ہیں۔ مگر اب میں نے اس خوب صورت جانور کو کوئی سال بھر سے نہیں دیکھا۔''

''خیر'' سوداگر بولا۔ ''میں اگلے ہفتے آؤں گا۔ اگر برفانی چیتے کی ایک کھال لاسکو تو تین ہزار روپے مل جائیں گے تمہیں۔ مگر یہاں بازار میں
مت لے آنا۔ شہر سے باہر کہیں چُھپا آنا اور پھر آکر مجھے بتانا۔''
یہ کہہ کر سوداگر نے اپنی چائے کی پیالی خالی کی اور مُڑ کر دیکھے بغیر چلا گیا۔ یاسین اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ سوداگر کی بات اُس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔
مگر برفانی چیتا اُسے کہاں ملے گا؟

اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس کے گھر سے کوئی دو گھنٹے کی مُسافت پر ایک گھاٹی تھی۔ جہاں برفانی چیتے، برفانی ہرن کے شکار کو آیا کرتے۔ مگر اِس گھاٹی تک پہنچنا دشوار کیا ناممکن تھا۔ راستے میں ایسے ایسے ہیبت ناک پہاڑ تھے، جن کی سیدھی چکنی ڈھلوانوں پر چڑھنا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا تھا جو پہاڑ کے اُس کنارے تک پہنچ سکا ہو جس کے پیچھے وہ گھاٹی تھی۔ ہاں یہ بات سب کو معلوم تھی کہ ایسی جگہ ہے ضرور۔ انھوں نے ہِرنوں کو وہاں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں سوچا۔

یاسین نے ٹھان لی کہ واپس پہنچتے ہی گھاٹی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔
برفانی چیتے کو مارنے کی اس کی نیت نہ تھی۔ انھوں نے تو اُسے کبھی بھی نقصان نہ پہنچایا تھا نہ کبھی اس کی بکریاں دبوچ کر لے گئے تھے۔ مگر تین ہزار روپوں سے کتنی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں؟ کتنے ہی مسائل حل ہو جاتے؟ خاص طور پر جب جاڑے کا موسم پہاڑ کے کونے سے کھڑا جھانک رہا تھا۔



اگلے دن شام تک وہ گھر پہنچا اور بیوی، بیٹی کو شہر کے مول تول کا سارا ماجرا سُنایا۔
سوداگر نے اُن کے سودے کی اتنی کم قیمت لگائی تھی۔ اُس کی بیوی اور بیٹی نے
بڑی جی داری سے یہ بات سُنی لیکن مایوسی ان کی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔
ذرا ٹھہر کے اس نے وہ بات بتائی جو سوداگر نے اُسے سمجھائی تھی۔
ماں بیٹی تو یہ سُن کر پتھرا سی گئیں۔

''برفانی چیتے کا شکار قانون کے خلاف ہے۔'' اُس کی بیوی کی آواز پھنسی پھنسی سی تھی۔
''قانون نے ہمارے لیے کیا کیا ہے؟'' یاسین غصہ سے بولا۔
''پھر کسی کو کیا پتہ چلے گا؟''
اس نے دلیل دینے کی کوشش کی۔

''مگر بابا، خود ہی تو کہتے ہو کہ جو جانور ہماری خوراک نہیں ہو سکتے
اُن کو جان سے مارنا بُری بات ہے۔'' ننھی زینب نے گرہ لگائی۔

اگلے دن سے یاسین نے اپنے کھیتوں پر جان توڑ کر کام کرنا شروع کیا۔
وہ ہفتہ بھر کا کام دو چار دن میں نبٹا دینا چاہتا تھا۔ تاکہ برفانی چیتے کے شکار کے
لیے اسے کچھ دِن مل جائیں۔ وہ اپنی دُھن میں اسی طرح مگن تھا کہ
چوتھے دِن زینب نے اسے گلّے کی ایک بڑی اچھی بکری گُم ہونے کی خبر دی،
تب بھی وہ اسے ڈھونڈنے کا وقت نہ نکال سکا۔

پانچویں دن وہ اور بھی تڑکے کام کو نکل گیا۔ تاکہ چیتے کے شکار سے پہلے
وہ بکری کا کھوج لگا سکے۔

یاسین اس طرف چند گز ہی گیا ہوگا، جدھر آخری دفعہ بکری چرتی دیکھی گئی تھی
کہ صُبح کی تازہ ہوا کے ساتھ کسی مردہ جانور کی باس اس تک پہنچی۔
وہ اس باس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ دل میں خوف یہ تھا کہ
بکری کہیں کسی کھائی میں گر کر مر نہ گئی ہو۔

اچانک ایک چٹان کے پیچھے اُس نے مُردہ بکری کو دیکھ لیا۔
آدھی بکری کوئی جانور کھا گیا تھا۔ اُس نے چاروں طرف غور سے نظر دوڑائی۔
اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا! برفانی چیتے کے پنجوں کے نشان
بکری کے جسم کے آس پاس صاف موجود تھے۔
وہ رنج اور غُصّہ سے تھرّا گیا۔



ایک خیال اس کے دل میں کوندا۔ قسمت نے اس کے لیے کیا اچھی بساط بچھائی تھی۔ بکری تو جان سے گئی مگر قاتل کا سراغ لگانا اب اس کا حق تھا، اس کی ذمہ داری تھی۔ اب کون اس کے آڑے آسکتا تھا؟

بڑی گھبراہٹ میں وہ گھر کو پلٹا۔ بیوی اور بیٹی کو سارا ماجرا سُنایا۔ پھر اس نے اپنی پرانی بندوق اٹھائی اور کارتوسوں کی پیٹی بھی۔ بس اتنی بات کہہ کر کہ شام ڈھلنے تک وہ پلٹ آئے گا، وہ تیزی سے گھر سے نکل گیا۔ بیوی نے جلدی جلدی کچھ کھانے کو پوٹلی میں باندھا اور بیٹی کو باپ کے پیچھے دوڑایا کہ جاکے اس کو تھما آئے۔ آخر بھوک تو لگے گی کسی نہ کسی وقت۔

زینب نے باپ کو دیکھا مگر وہ ایک اُونچی ڈھلوان پر کافی آگے نکل گیا تھا اور ایک چٹان کے کنارے پر جُھکا ہوا تھا۔ اُس نے سوچا کہ مُردہ بکری وہیں کہیں پڑی ہوگی۔ اس نے یاسین کو آواز دی۔ لیکن ایک تو فاصلہ کافی تھا اور دوسرے وہ اپنی دُھن میں اس طرح مگن تھا کہ اس نے زینب کی آواز نہیں سنی۔ زینب نے باپ کو سیدھے کھڑا ہوتا دیکھا۔ اس کی آنکھیں اپنے دائیں طرف پہاڑ کی ایک چڑھائی پر جمی ہوئی تھیں۔ جس کی چوٹی تک پہنچنے میں تیز قدمی سے بھی آدھا گھنٹہ ضرور لگتا۔

اس چڑھائی تک جانا زینب کو یاد نہیں تھا۔ شاید وہاں تک وہ کبھی نہیں گئے تھے۔ ڈھلوان پتھریلی تھی اور تیز ہواؤں کے رُخ پر تھی۔ وہاں گھاس کا تنکا بھی نہ اُگتا۔ اس لئے بکریاں بھی کبھی اُدھر کا رُخ نہیں کرتی تھیں۔

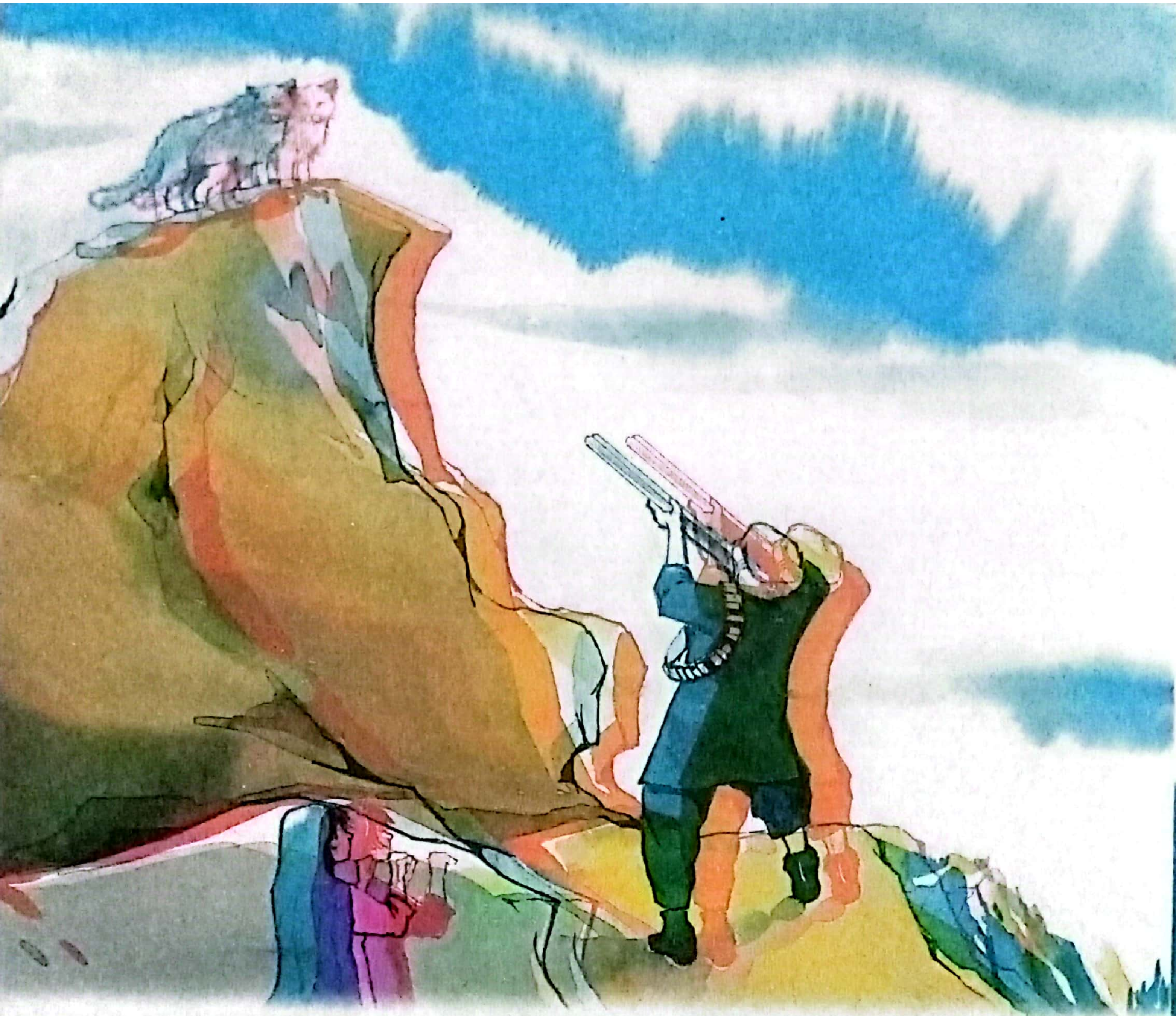
یاسین کے لیے راستہ نیا نہ تھا۔ وہ اچھا تندرُست اور مضبوط آدمی تھا۔ پہاڑی بکری کی طرح چڑھتا چلا جاتا۔ لیکن چڑھائی مشکل تھی اور رات کی اوس سے پتھروں پر اور بھی پھسلن ہوگئی تھی۔
یاسین نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ برفانی چیتے کا پیچھا کرے گا۔
چیتا بکری کا ناشتہ کر کے ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُکڑوں بیٹھ گیا اور اپنے اِرد گرد کے ماحول کو بڑے غور سے پرکھا۔ چند منٹوں بعد کوئی تین سو (300) میٹر کے فاصلے پر ایک سایہ سا لہراتا نظر آیا۔ اس کے ٹکٹکی لگانے کے باوجود برفانی چیتا ذرا ٹھٹکا اور دُور سے اس کو دیکھتا رہا۔

پھر اس نے رُخ پلٹا اور دو چار چھلانگوں میں چوٹی سے کوئی پانچ میٹر نیچے ایک گگر پر پہنچ گیا۔ یاسین دم بخود دیکھتا رہا۔ چیتا اس کے نشانے سے باہر تھا۔
اس خیال سے کہ چیتا گِھر چکا ہے۔ یاسین کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔
پہاڑ کے جس کنارے پر چیتا ٹھہر گیا تھا، وہاں سے چوٹی تک پہنچنا ناممکن تھا۔
پانچ میٹر کا راستہ نوّے(90) درجے زاویے کی ایک سیدھی دیوار کی مانند تھا۔
یاسین نے آہستہ آہستہ کِھسکنا شروع کیا۔ اُسے اس بات کا ڈر تھا کہ یا تو چیتا ایک جست لگا کے نیچے کود ے گا یا اس پر حملہ کر دے گا۔

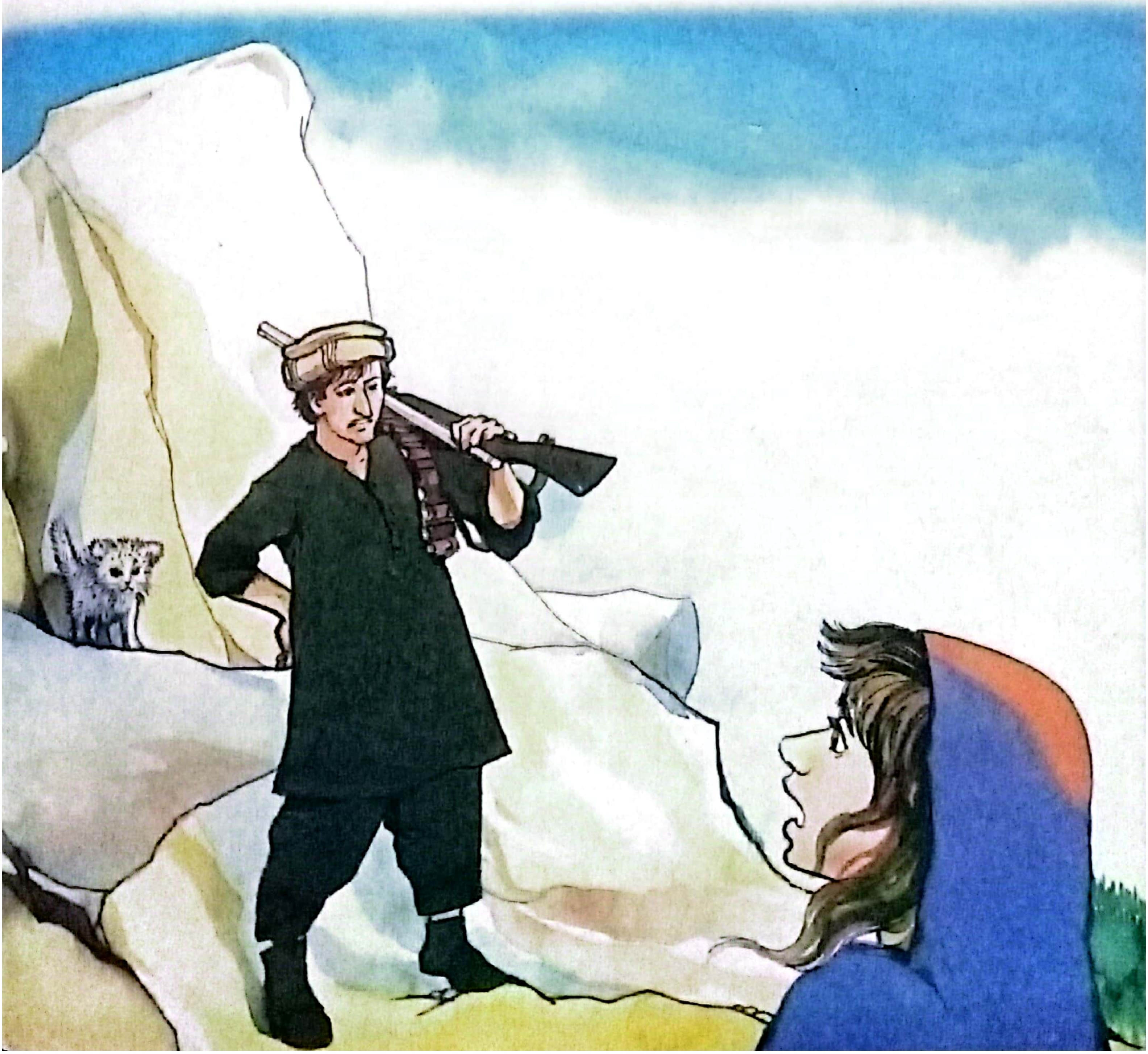
برفانی چیتا یاسین پر نظریں گاڑے تھا اور جب یاسین کوئی پچھتر(75) میٹر دُور رہ گیا تو چیتے نے اپنا بدن پہاڑ کے کنارے کی طرف گُھمایا اور چاروں پیروں پر جم کر بیٹھ گیا۔

جیسے ہی یاسین نے آہستگی سے بندوق نکالی۔ چیتے نے تقریباً ہوا میں مُعلق ہو کر چوٹی کی طرف سیدھی چھلانگ لگائی۔ یاسین بندوق ہاتھ میں لیے حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ خوب صورت جانور کی چستی، تیزی، طاقت اور تناسب نے اسے ہکّا بکّا کر دیا۔ اپنے پچھلے پیر پیٹ سے چپکا کر چیتے نے کوئی تین میٹر لمبی
جِست لگائی۔ پلک جھپکتے میں چیتے کے پچھلے پنجوں نے پہاڑ کو بس ذرا سا چھوا اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اتنا سہارا ہی اس کی سیدھی جِست کو کافی تھا۔
اس کے بعد جو یاسین نے دیکھا تو چیتا آسمان تلے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا اور یاسین کو قہر بھری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ یاسین جانتا تھا کہ میخوں اور رسی کے بغیر وہ اوراُوپر نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے اُس نے نشانہ باندھا اور داغ دیا۔



زینب یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے باپ کو اس کے وہاں ہونے کی خبر نہ تھی لیکن وہ اس سے چند گز پیچھے ہی تو تھی۔ اُس نے گولی چلنے کی آواز اور پہاڑوں میں اس کی گونج سُنی۔ گولی لگتے ہی برفانی چیتے کو نظروں سے اوجھل ہوتے بھی دیکھا۔ اس کی چیخ نکل گئی، باپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پہلی بار اُسے یہ احساس ہوا کہ وہاں وہ اکیلا نہ تھا۔ اس نے اپنے نصیبوں کو کوسا کہ جانور پہاڑ کی پچھلی طرف گرا تھا، جہاں سے وہ اُسے اٹھا کر نہ لا سکتا تھا۔ کم از کم اسی وقت وہ مُڑا اور بیٹی کی طرف نیچے اُترنے لگا۔

زینب نے باپ کو آتے دیکھا اور اس کے پیچھے کچھ اور بھی، جس نے اسے کپکپادیا۔ ایک ننھا مُنا سا چھوٹا سا برفانی چیتا، پہاڑ کی اوٹ سے نکلا۔ وہ پریشانی اور غصّے میں لگتا تھا۔ شاید پہاڑ کے اُس طرف کوئی غار تھا۔ جو اِدھر سے نظر نہیں آتا تھا۔ یقیناً یہ زخمی ہونے والے چیتے کا بچہ تھا اور شاید زخمی ہونے والا جانور اس کی ماں تھی۔ زینب نے اندازہ لگایا۔

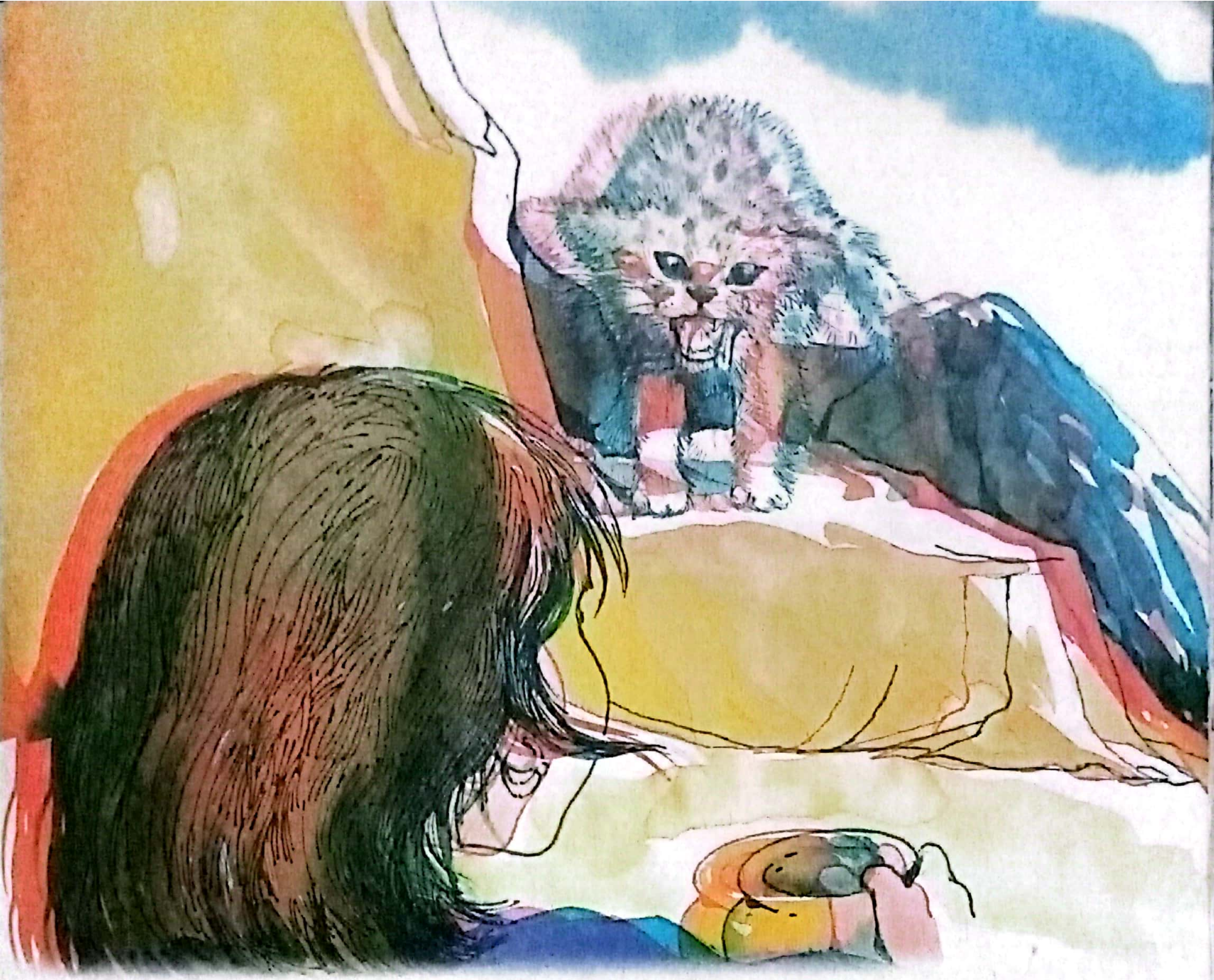


گھر پہنچتے ہی یاسین نے بیوی سے کہا کہ اسے فوراً ہی اُستور جانا ہے۔
سوداگر ایک آدھ دن میں آنے کو تھا۔ یاسین چاہتا تھا کہ اس دوران میں اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے جو چیتے کو تلاش کرنے اور اُٹھا کے لانے میں اُس کا ہاتھ بٹا سکے۔ گاؤں والوں کو اس معاملے میں وہ شریک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ گوکہ گولی کی آواز اُن تک بھی پہنچی ہو گی۔ بیوی سے بس اتنا ہی کہا کہ
''دو چار دن لگ جائیں گے، پریشان نہ ہونا۔''

باپ کے جاتے ہی ماں تو گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور زینب روز کی طرح اپنی بکریوں کو چَرانے لے گئی۔ مگر آج وہ مٹی کے ایک لوٹے میں بکری کا تھوڑا سا دُودھ بھی ساتھ لیتی گئی اور ساتھ ساتھ مٹی کا وہ پیالہ بھی، جس میں ماں دہی جمایا کرتی تھی۔

اس نے اپنے گلّے کو پہاڑ کی چڑھائی کی طرف ہنکا دیا۔ ایک نئی سمت کو جاتے ہوئے بکریاں ہچکچاتیں تو وہ انھیں پھر سے اُدھر کو موڑ دیتی۔
چوٹی کے قریب جب وہ ایک چراگاہ تک پہنچی، تو اس نے بس اتنا انتظار کیا کہ بکریاں وہاں چَرنا شروع کریں۔

پھر اپنا تھیلا تھامے وہ چُپکے سے چڑھائی کی طرف چل پڑی۔
اُسے یہ معلوم تھا کہ ایک دو گھنٹے بکریاں وہاں آرام سے چَرتی رہیں گی اور اُس کے بغیر اِدھر اُدھر نہیں بھٹکیں گی۔ اتنی دیر میں وہ اس جگہ تک ہو آئے گی جہاں اُس نے چیتے کے بچے کو دیکھا تھا۔

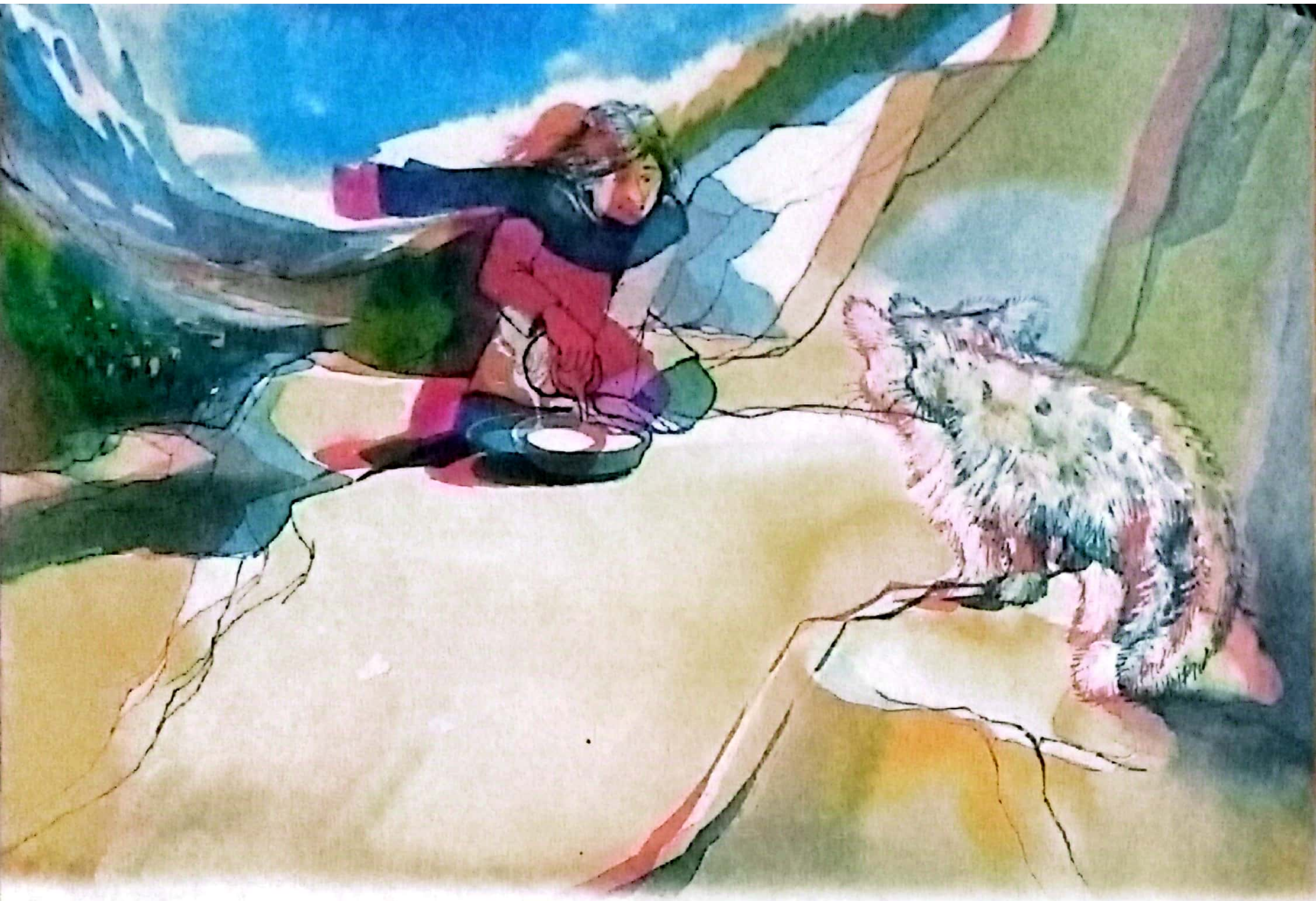


ہانپتے کانپتے وہ پہاڑ کی اونچی ڈھلوان پر چڑھی تاکہ اپنی منزل تک جلد از جلد پہنچ سکے۔

وہ چوٹی سے کوئی دس(10) میٹر پرے ہو گی کہ جب وہ ننھا مُنا چیتا، قدموں کی چاپ سُن کر سامنے آگیا۔ اس کی عمر چند ہفتے ہی ہو گی۔ لیکن وہ چاق و چوبند تھا۔

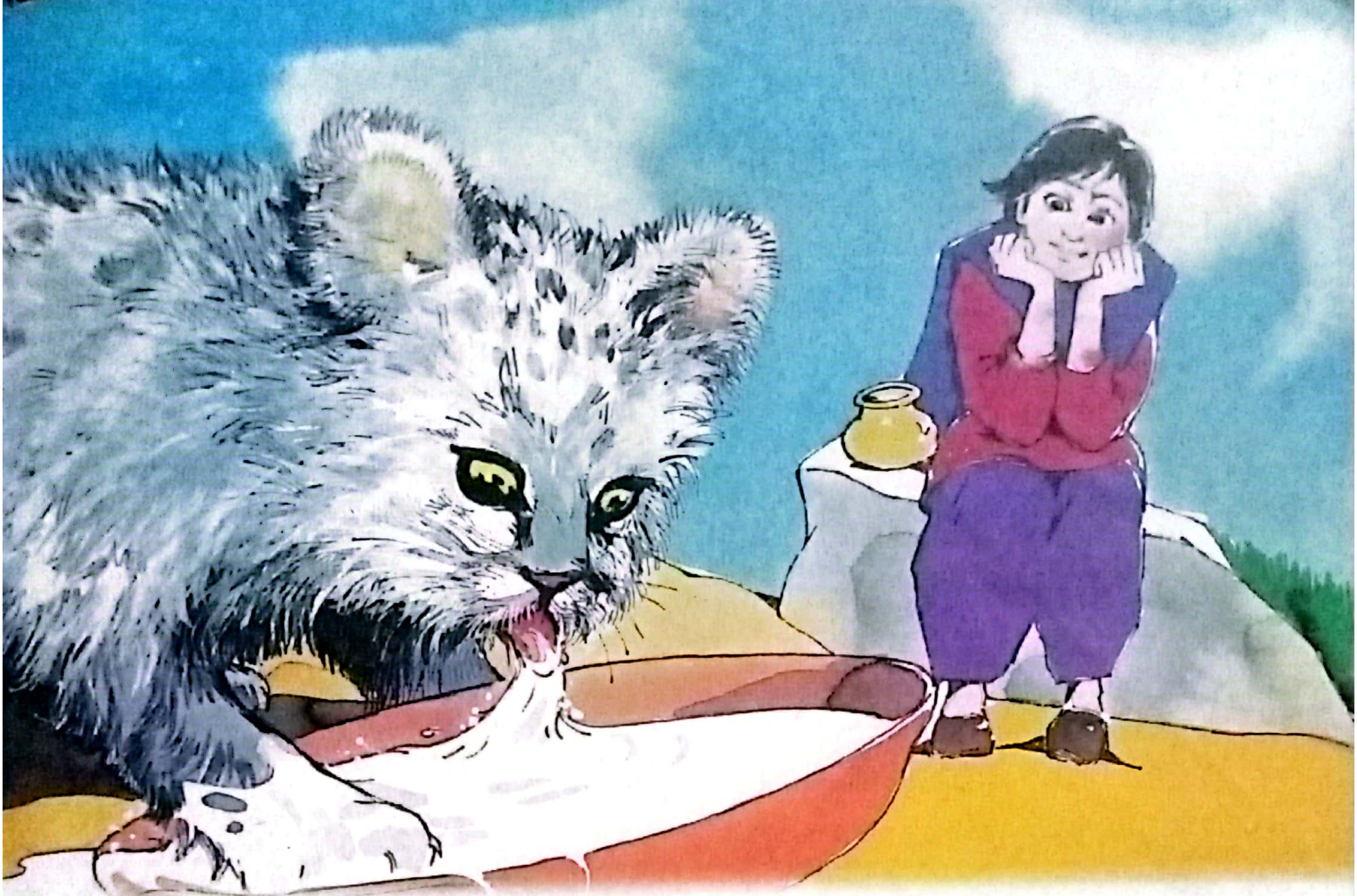
بادامی رنگ کی کھال پر سُرمئی چکتّے تھے اور اس کی آنکھیں نیلی شفاف تھیں۔

جیسے ہی زینب قریب آئی۔ ننھے چیتے نے اپنی ٹانگیں اکڑا لیں اور اپنی کمر کو کمان کر لیا۔ اس کے بال، سُوئی کی نوک کی طرح سیدھے ہو گئے اور بچی کو دیکھتے ہی اس نے غُرّانا شروع کر دیا۔ زینب اس سے ڈری نہیں۔ اُس نے غور سے اس ننھے غُصیّلے جانور کو دیکھا، اُسے اپنی نئی ذمہ داری کا احساس تھا۔



ننھے چیتے نے شاید پہلی بار کسی انسان کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ اس لیے وہ کچھ دیر تک گھورتا اور غُرّاتا رہا۔ اپنی جگہ وہ بھی اس ننھی سی بچی سے ڈرا ہوا تھا، جس کے لمبے بال ہوا سے بکھر گئے تھے۔ اُسے اپنی ماں کا خیال آیا، وہ ہوتی تو اسے اِس چیز سے بچا لیتی۔ زینب اس ننھے منے چیتے کو بے خوفی سے دیکھتی رہی۔ وہ اور بھی گڑبڑا گیا۔

بڑی احتیاط سے زینب نے تھیلے سے مٹی کا پیالہ نکال کر اپنے سامنے رکھا۔ پھر مٹی کے لوٹے سے دُودھ اس میں اُنڈیلا۔ اس سارے کام میں اس کی آنکھیں ننھے مُنے چیتے پر گڑی رہیں۔ آخر اس ننھے منے چیتے کے خوف پر تجسس غالب آگیا۔

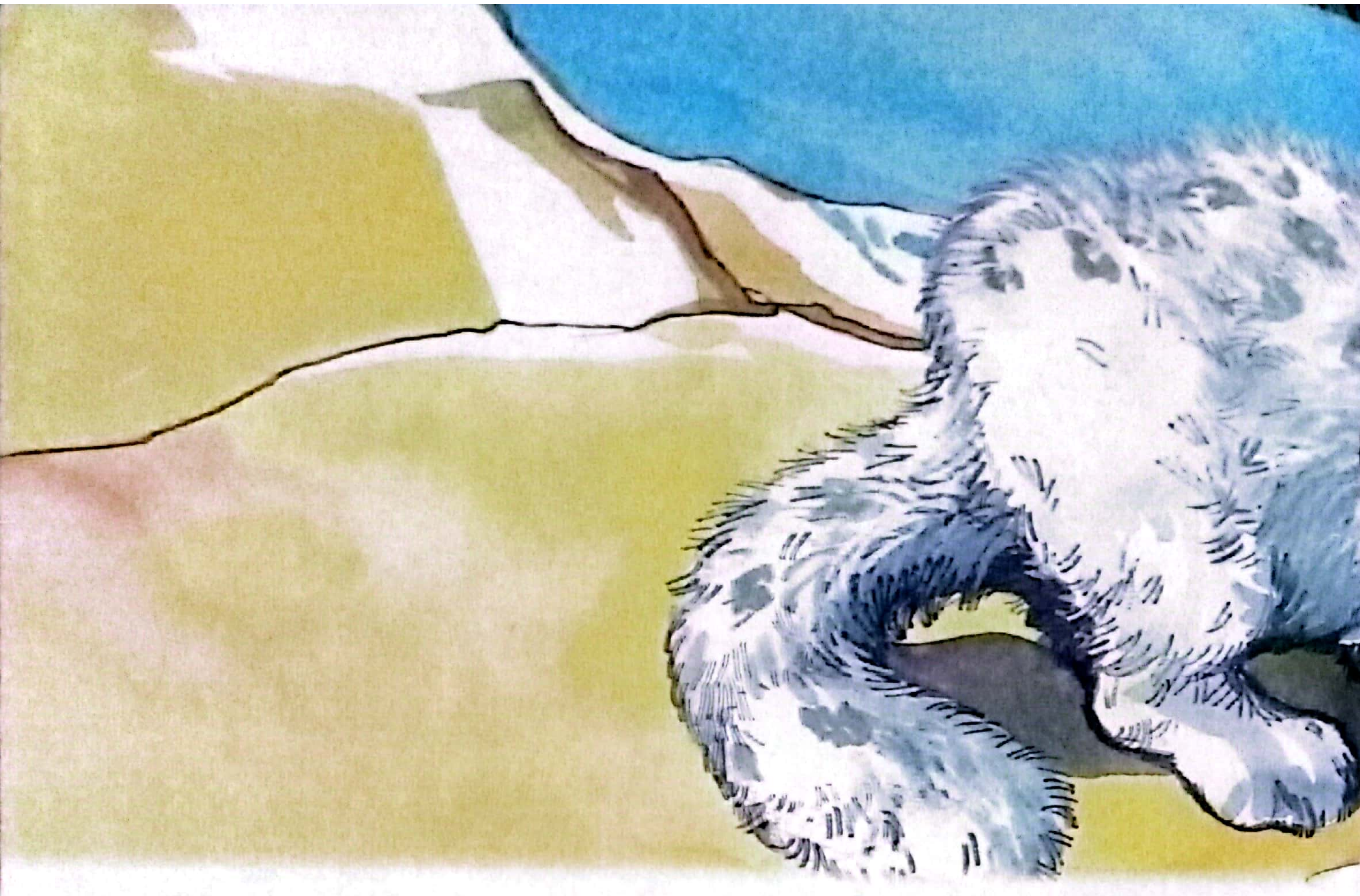


وہ چوٹی کے کنارے سے اُتر کر زینب سے دو چار میٹر پرے آن کھڑا ہوا اور زمین پر پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا۔ مگر غُرّانا نہیں چھوڑا۔ زینب چند قدم پیچھے ہٹی اور ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ دُودھ کی خوشبو ہوا میں تیرتی ننھّے چیتے تک پہنچی۔

بھوک نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا۔ وہ پیالے کی طرف جھپٹا، اس میں کچھ دُودھ اِدھر اُدھر گر بھی گیا۔ پہلے تو اس نے اُس کو چاٹا اور پھر ایک پنجے کو پیالے پر جما کر سارا دُودھ شڑپ شڑپ کر کے چٹ کر گیا۔

''تم تو برف کے گالے جیسے ہو۔ سفید، صاف اور ملائم۔'' زینب نے ننھے چیتے سے سرگوشی میں کہا ''میرا خیال ہے تمہارا نام گالا رکھ دوں۔''

منٹ بھر میں دُودھ کا پیالہ صفاچٹ تھا۔ ننھّے کا پیٹ نہ بھرا تھا۔ وہ اور مانگ رہا تھا۔ زینب کا جی دُکھا اس کے پاس اور دُودھ نہ تھا۔ زینب اُٹھ کھڑی ہوئی۔



ننھا چیتا بھی چھلانگ مار کر اوٹ میں ہو گیا اور اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ زینب نے پیالہ اُٹھایا۔ اپنے طور سے ننّھے چیتے کو یقین دلایا کہ وہ کل پھر اس کے لیے دُودھ لے کر آئے گی اور اپنی بکریوں کی طرف پلٹ گئی۔

زینب نے سوچا اپنی ماں حوّا کو وہ سارا ماجرا بتا دے گی۔ کیونکہ اس کی ماں ہی کچھ بتا سکے گی کہ انہیں اب کیا کرنا چاہئے؟ گھر جا کر، جب اُس نے ساری کہانی سنائی، تو ماں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ آخر اُسے اعتبار آ گیا کہ زینب سچ بول رہی ہے۔ اُسے اپنی بیٹی کے حوصلے اور جانوروں سے لگاؤ پر بہت لاڈ آیا۔ ''ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے۔'' زینب کی ماں نے کہا ''صُبح اس ننھے مُنے چیتے کو ہم یہاں لے آئیں وہاں اکیلے میں تو شاید اپنی جان سے جائے گا۔''

اگلے دن صُبح وہ دونوں اکٹھی چلیں اور اپنے ساتھ بکری کا دُودھ بھی لیتی گئیں۔
جب وہ پہاڑ کے اُس کونے تک پہنچیں تو وہاں چیتے کے بچے کا نام نشان بھی نہ تھا۔
''گالے، گالے، کدھر ہو تم؟''

سناٹے میں ہوا کی گونج کے سوا انہیں کوئی اور جواب نہیں ملا۔ چوٹی اتنی دور اور ڈھلوان تھی کہ دونوں کا وہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ وہ غار تک جا کے کیسے دیکھتیں کہ وہ ننھا مُنا چیتا وہاں ہے کہ نہیں؟ حوّا نے ایک کنکری اٹھا کر چوٹی کی طرف پھینکی۔ پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ حوّا کو شُبہ ہونے لگا کہ کہیں زینب نے بچپنے میں تو یہ قصہ نہیں گھڑ لیا۔ اُس نے کہا'' چلو واپس چلیں، یہاں تو کوئی چیتے کا بچہ وچہ نظر نہیں آتا۔''

''پتہ نہیں کیا ہوا، ماں؟'' زینب روہانسی ہو کر بولی۔
ماں کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ زینب سے یہ کہہ سکے کہ اُس کے خیال میں یہ سب افسانہ ہے۔ چیتے کا بچہ وچہ کہیں ہے ہی نہیں اور اگر تھا بھی تو شاید کسی اور جنگلی جانور کے ہاتھوں مارا گیا۔ زینب سے اُس نے یہ کہہ کر بات بنائی کہ شاید چیتے کا بچہ کسی اور طرف کو چلا گیا۔

''اچھا تم واپس چلو۔ میں یہاں کچھ دیر اور ٹھہروں گی۔'' اُس نے اپنی ماں سے کہا۔ حوّا کوئی پچاس (50) میٹر ہی گئی ہو گی کہ زینب نے مٹی کا پیالہ نکال کر اسی جگہ رکھا، جہاں کل رکھا تھا۔ جیسے ہی وہ پیالے میں دُودھ اُنڈیلنے کو جُھکی، اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی چیز سی لہرائی۔

یہ وہی چٹان تھی جہاں کل چیتے کا بچہ چُھپ گیا تھا۔ روئی کا گالا اس کے سامنے کھڑا اُسے گھُور رہا تھا۔ اس کا ننھا سا وُجود چٹان سے اس طرح چپکا ہوا تھا جیسے اس کا ہی حصہ ہو۔

''روئی کے گالے'' زینب کی آواز خوشی سے تھَر تھَرا رہی تھی۔

''تو تم وہاں چُھپ کر بیٹھے تھے۔'' زینب کو لگا جیسے وہ جان بوجھ کر اب تک سامنے نہ آیا تھا۔ ایسا پتھر سا بے حرکت ہو گیا، جیسے وہ ان پتھروں کا ہی حصہ ہو۔ ماں، بیٹی دونوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ وہ چند گز پرے ہی موجود تھا۔

چند قدم چل کر حوّا نے مُڑ کر دیکھا۔ زینب آ رہی ہے کہ نہیں؟ حیرانی کے مارے وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ بھوک سے بے تاب روئی کے گالے جیسا، ننھا چیتا شڑپ شڑپ دُودھ پی رہا تھا اور چار پانچ قدم کے فاصلہ پر بیٹھی زینب اسے دیکھ رہی تھی۔ حوّا نے سوچا کہ یہ یہیں کہیں چُھپا ہوا تھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ زینب کے سوا کوئی دوسرا وہاں نہیں ہے تو وہ باہر نکلا۔ چیتے کے بچے اور اپنی بیٹی کی دوستی پر وہ ایک عجب طرح خوش اور حیران تھی۔

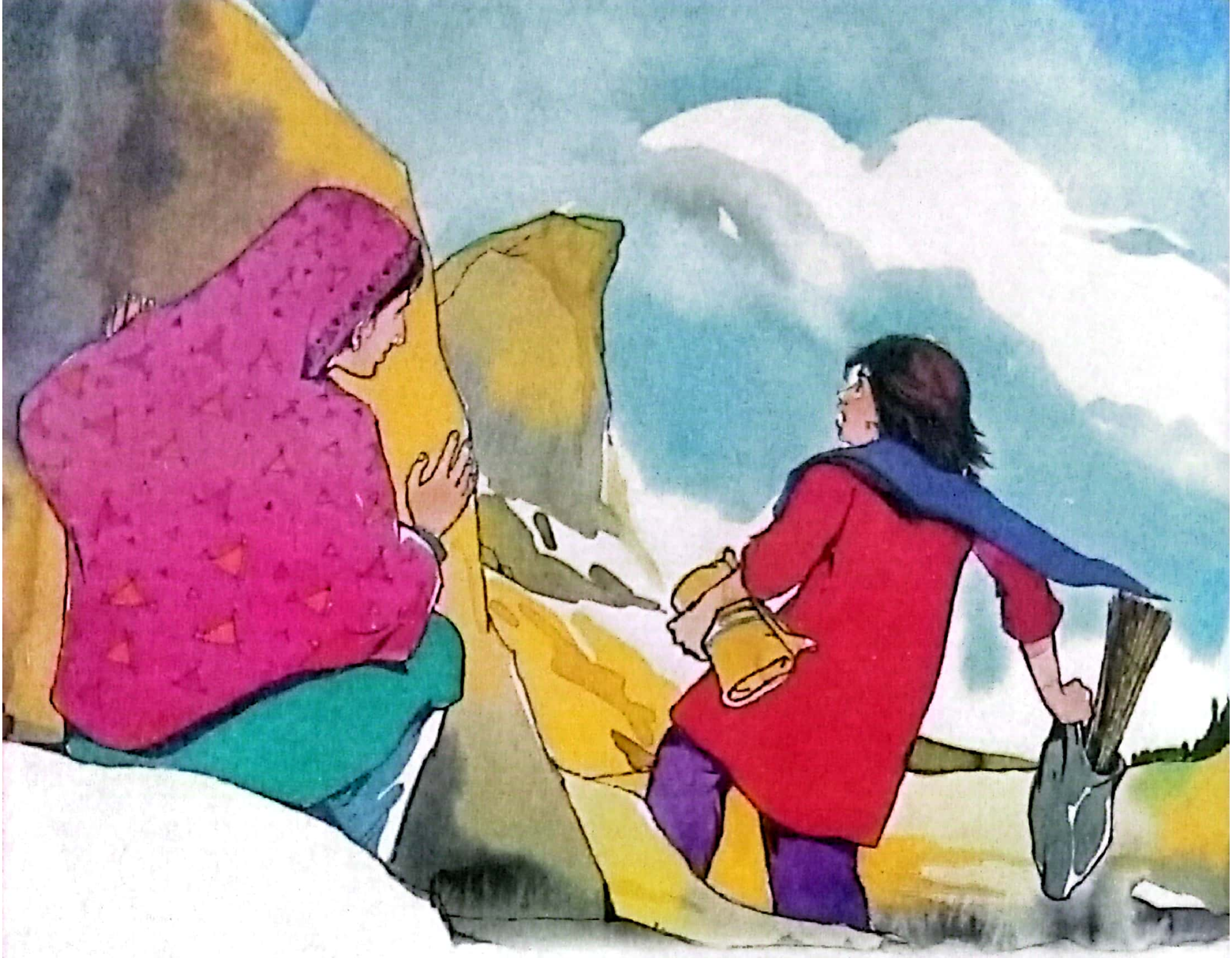
قُدرت کے تماشے کیا کیا ہیں؟ روئی کا گالا زینب سے مانُوس تھا اور اس پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ حوّا کو ڈر بھی لگ رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کی ذرا سی بچّی کھلے آسمان تلے چیتے کے مُقابل تھی۔ وہ اس پر جھپٹ بھی سکتا تھا۔ چھوٹا تھا تو کیا ہوا؟ آخر تھا تو چیتے کی اولاد۔ کاٹ لیتا یا نوچ کھسوٹ ڈالتا؟

حوّا نے گھر سے نکلتے وقت سوچا تھا کہ وہ ننّھے چیتے کو پکڑ لے گی۔
اسی لئے وہ اپنے ساتھ آٹے کی خالی بوری بھی لائی تھی۔ مگر وہ اپنی بیٹی سے دُور تھی اور وہ موُذی جانور اُس کے پاس۔

رہی زینب تو وہ تو مست تھی۔ روئی کے گالے نے اسے پہچان بھی لیا تھا اور اس کی دوستی بھی قبول کر لی تھی۔ اب وہ دونوں مزے میں اکٹھے رہ سکتے تھے۔
وہ اس کی خوب دیکھ بھال کرے گی اور دونوں مزے میں پہاڑوں پر گھُوما پھِرا کریں گے۔ ''تم ہمارے پاس چل کر رہو گے نا!'' زینب نے خوشی سے بھرائی آواز میں سرگوشی کی۔

وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی اور ننّھے چیتے کی طرف بڑھنا چاہتی تھی کہ وہ ٹھٹک کر پیچھے کو ہو گیا۔ وہ کئی بار رُک رُک کر آگے بڑھی۔ ہر دفعہ جب وہ چند قدم آگے بڑھتی تو روئی کا گالا اور پیچھے ہٹ جاتا۔ پھر اس نے ایک نوکیلی چٹان سے پیچھے کو چھلانگ لگائی جہاں سے وہ اپنی کھوہ کی طرف چلا گیا۔ حوّا نے بیٹی کو پُکارا۔
زینب اس کے پاس پہنچی تو ماں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''شاید روئی کا گالا ابھی ہمارے ساتھ آنا نہیں چاہتا۔''

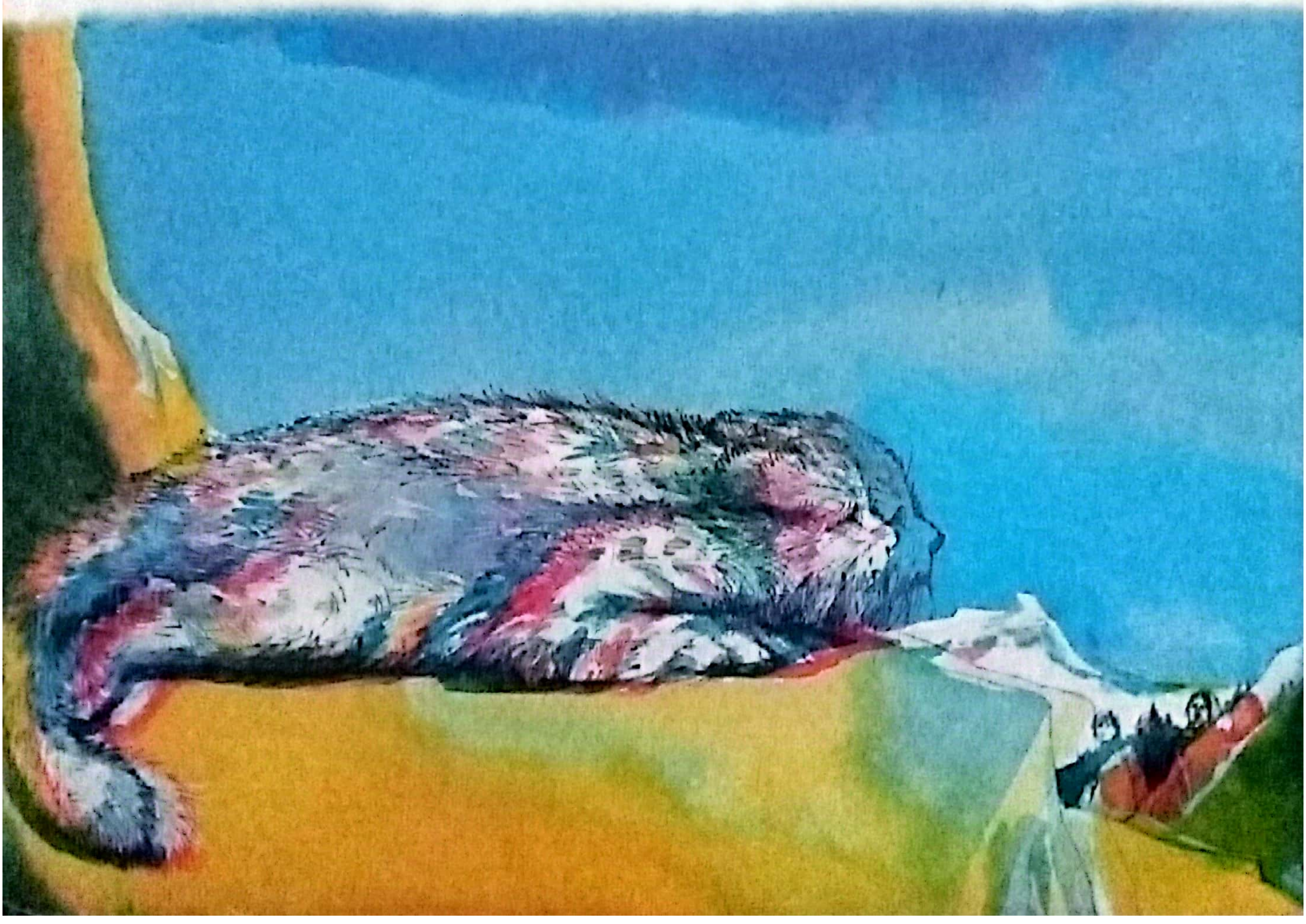
زینب کو مایوسی ہوئی۔ مگر اُس نے سوچا اگلے دن وہ پھر کوشش کرے گی۔
بڑے پس و پیش کے بعد حوّا اس پر راضی ہوئی، مگر ایک شرط پر کہ زینب اس کے بہت پاس نہیں جائے گی اور جھاڑو اپنے ساتھ لے جائے گی۔ کہیں وہ ننّھا چیتا اس پر جھپٹ پڑے تو! حوّا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ خود بیٹی کے ساتھ ساتھ رہے۔

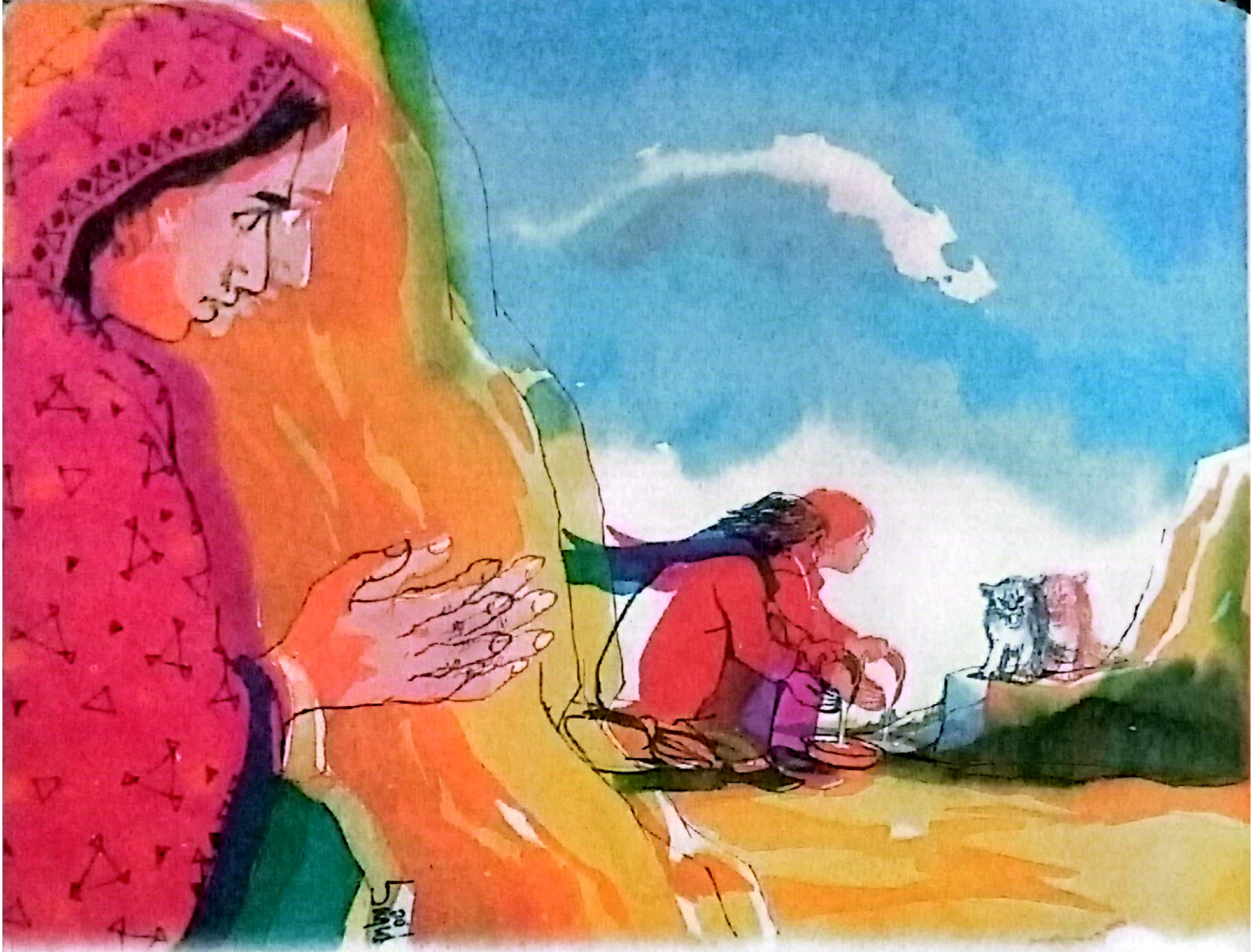


مگر زینب نے اُسے سمجھایا کہ روئی کے گالے کو اگر یہ احساس ہو گیا کہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ ہے تو وہ باہر نہیں نکلے گا۔ آخر دونوں میں یہ طے پایا کہ حوّا تیس (30) چالیس (40) قدم پیچھے ٹھہر جائے گی اور زینب کوشش کرے گی کہ جب وہ ننھا چیتا دُودھ پی رہا ہو، تو کسی طرح اسے بوری میں بند کر لے۔

اگلی صُبح دونوں نے ایسا ہی کیا۔ جس چٹان پر آ کر وہ دُودھ پیتا تھا، حوّا اس سے کوئی تیس (30) قدم پیچھے ہی ایک پتھر سے ٹِک کر بیٹھ گئی۔
زینب نے مشکل سے ماں کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ سامنے ہو کر نہ بیٹھے اور اوٹ سے دیکھتی رہے۔

پھر وہ اکیلی چٹان کی طرف بڑھی۔ وہ اپنی مقررہ جگہ پر پہنچی۔
لیکن گالے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ پھر اُسے ایسا لگا جیسے کوئی اُسے دیکھ رہا ہو۔
اس نے گھوم کر دیکھا۔ روئی کا گالا وہاں موجود تھا اور اس کے پیچھے، دس بارہ
قدم کے فاصلے پر وہ بالکل سیدھا، زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ سر آگے کو نکلا ہوا، کان
چپکے ہوئے اور آنکھیں زینب پر گڑی ہوئیں۔ جس طرح وہ نشست باندھ کر بیٹھا
تھا۔ اس سے لگتا تھا کہ اس نے انہیں اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے حوّا
کو چھپ کر بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ مگر گالے نے نہ تو اُٹھنے کے لئے جُنبش کی
اور نہ ہی کوئی آواز نکالی۔ اس کی ماں اس سے اتنی جلدی بچھڑ گئی تھی کہ وہ موقع
محل کو سمجھنا نہ سیکھ سکا تھا۔





آخر ایک آزاد وحشی تھا۔ اس کے خون میں خطرہ سونگھ لینے کی صفت نسلوں سے چلی آرہی تھی۔ ننھے چیتے نے زینب کے ایک ہاتھ میں لپٹی ہوئی بوری کو دیکھا۔ دوسرے ہاتھ میں تھامے تھیلے کو اس نے توجہ کے قابل نہ جانا۔

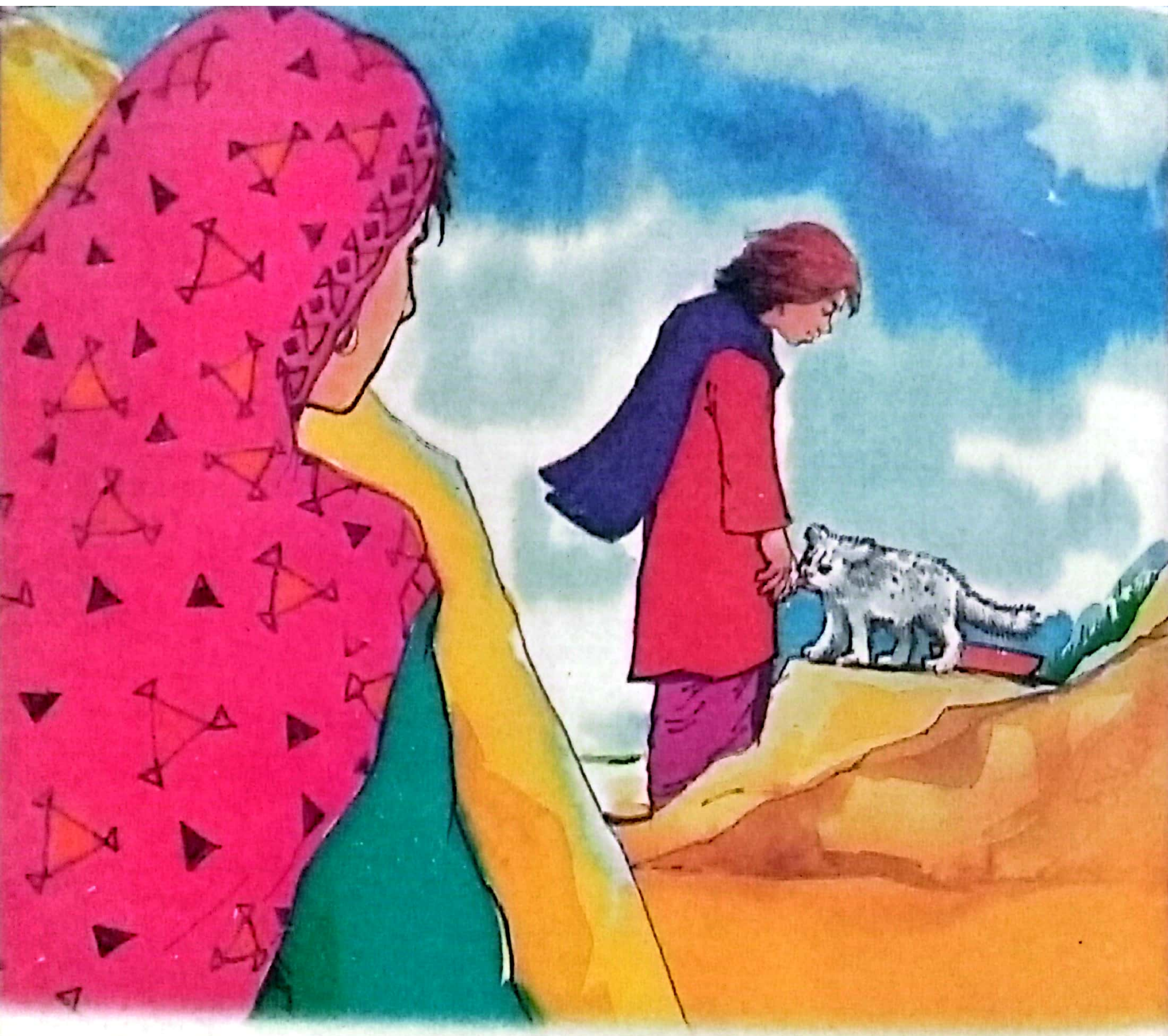
زینب نے بوری کی پوٹلی نیچے رکھی اور گالے کی طرف چند قدم بڑھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پوری طاقت سے جبڑے کھول کر اس پر غُرّایا۔ زینب ٹھہر گئی اور پیالہ پتھر پر رکھ دیا۔ جیسے ہی اس نے پیالے میں دُودھ اُنڈیلا اس کا ننھا دوست گالا پلک جھپکتے ہی اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ابھی وہ پورا دُودھ اُنڈیلنے بھی نہ پائی تھی کہ بھوک کا مارا لپ لپ کر کے دُودھ پینے لگا۔

زینب کا دل کچھ خوف اور کچھ خوشی سے زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
گالے کا جسم اس کے لمبے کُرتے سے مَس کر رہا تھا اور وہ اس کے
پیروں کے پاس کھڑا دُودھ پی رہا تھا۔ تھوڑا سا دُودھ اس کے ہاتھوں اور
کپڑوں پر بھی چھلک گیا۔ وہ ہاتھ لٹکائے کھڑی تھی اور اُس کی اُنگلیاں
گالے کو چھو رہی تھیں۔

گالے نے پیالے کا دُودھ ختم کر کے زینب کی گیلی اُنگلیاں چاٹنا شروع کر دیں۔
ننھّی سی بچی کا حوصلہ پہاڑوں کی طرح مضبوط تھا۔ وہ ہلی تک نہیں۔
ننھے سے وحشی کی زبان کی گرمی اسے اپنی اُنگلیوں پر محسوس ہو رہی تھیں۔
زبان کُھردری تھی مگر جاندار۔ چھوٹے چھوٹے دانت دھار کی طرح تیز تھے،
مگر اُسے تکلیف نہیں پہنچا رہے تھے۔

زینب نے اپنا دوسرا ہاتھ ذرا آگے کو بڑھایا اور چاہا کہ گالے کو دونوں ہاتھوں
سے پکڑ کر اُٹھا لے۔ ننھا چیتا زور سے چنگھاڑا اور اپنے سیدھے پنجے سے زینب پر
حملہ کیا۔ زینب کی زرد کمزور بازو پر تین سرخ لکیریں اُبھر آئیں اور وہ ڈر کے
مارے پیچھے کو کُود گئی۔

حوّا نے گالے کو زینب کے پاس جاتے دیکھا تھا۔ وہ سانس روکے اُسے دُودھ پیتے
دیکھتی رہی اور مشکل سے خود کو زینب کے پاس جانے سے روکے رہی۔
مگر جیسے ہی اُس نے زینب کی انگلیاں چاٹنا شروع کیں حوّا اُٹھ کر چل دی۔ جب
زینب نے چیتے کے بچے سے ڈر کر چھلانگ ماری تو حوّا عین اس کے پیچھے کھڑی



تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ گر پڑتی اُس نے زینب کو لپک کر گود میں لے لیا۔ پھر اس نے اس کے بازو کو دیکھا۔ ذرا سی خراش ہی آئی تھی۔
زخم کہیں نہیں تھا۔ اتنی دیر میں گالا چھلاوہ ہو گیا اور دونوں میں سے کسی کو بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ کِدھر کو ہَوا ہو گیا۔ حوّا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔
''بس چیتے کے بچے کو پکڑنے کا معاملہ بہت ہو چکا۔ اب اسے ختم سمجھو۔
اب تو یاسین کی واپسی پر ہی کچھ کیا جائے گا۔''

''آخر وحشی جانور ہے۔'' اس نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اس کا ویرانے میں رہنا ہی بہتر ہے۔'' لیکن پھر بھی زینب نے ماں کو اتنے پر منا لیا کہ اگلے دن وہ صرف دُودھ رکھ کر واپس چلی جائیں گی۔

چار دن گزر گئے اور یاسین اب تک گھر نہیں لوٹا۔ اَستور سے آنے والے ایک پڑوسی نے یہ خبر دی کہ ''یاسین کا کام ابھی نہیں ہوا اور شاید اُسے ایک آدھ دن اور لگ جائے۔''

حوّا اور زینب گالے کے لیے دُودھ لے کر گئیں۔ انھوں نے سوچا کہ اب وہ کسی ایسی طرف سے جائیں گی جس کی خبر ننھے چیتے کو نہ ہو۔ اب انھوں نے ایک اور طرف کا نسبتاً لمبا راستہ چُنا، جو انھیں چٹان سے دس بارہ میٹر دور تک لے جا سکتا تھا۔ زینب نے ماں کی بڑی منت سماجت کر کے کہا ''ماں مجھے اکیلے ہی آگے تک جانے دینا، تم ذرا پیچھے ہی ٹھہر جانا۔''

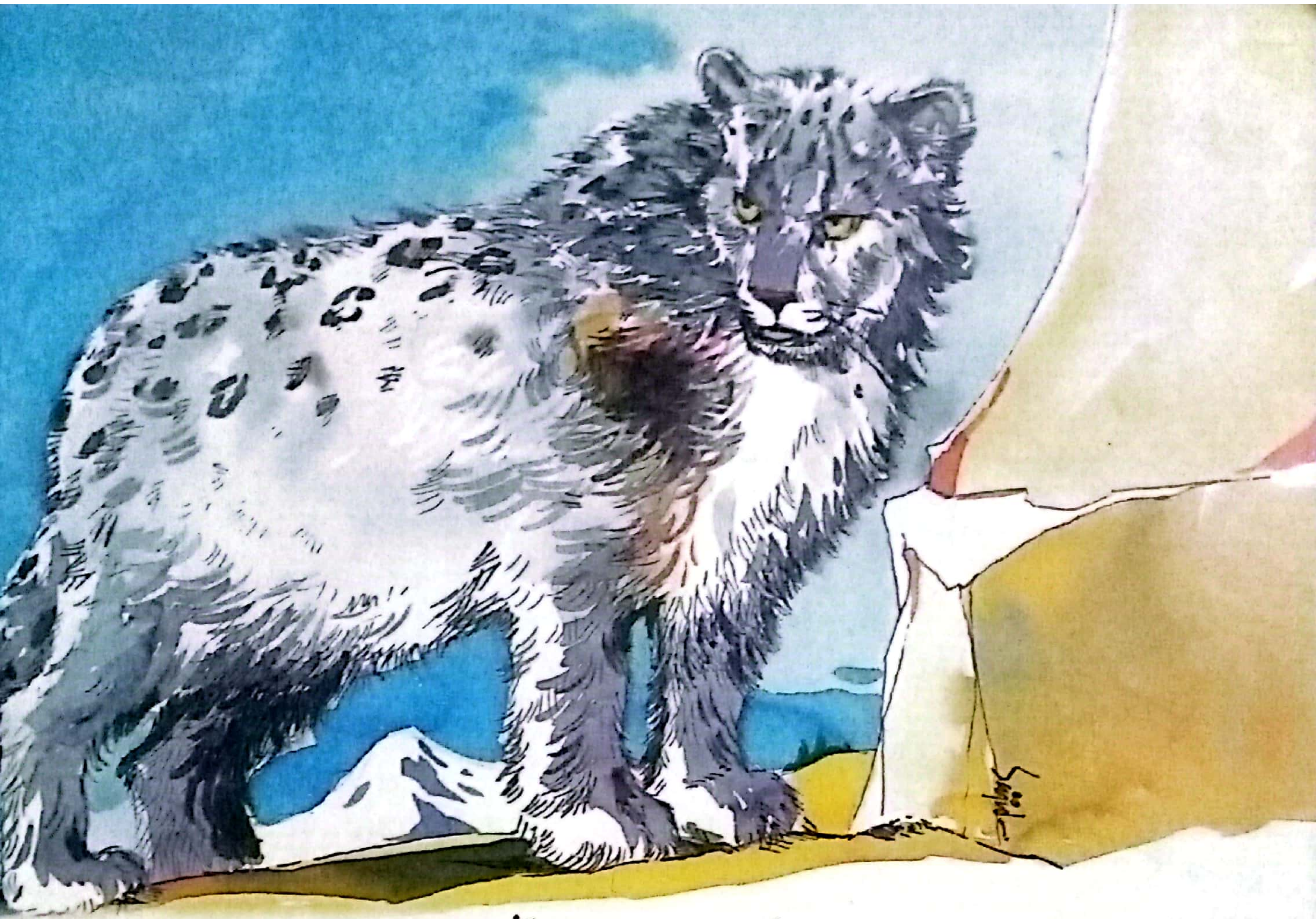
لیکن جیسے ہی وہ پیر جماتی، اس جگہ تک پہنچی۔ اس کی تیز آنکھوں نے ایک نہیں دو جانور چٹان کے کنارے کھڑے دیکھے۔ دونوں صُبح کا مزہ لے رہے تھے۔

وہ فوراً ہی ایک چٹان کے پیچھے دُبک گئی اور غور سے چوٹی کی گگر کی طرف دیکھتی رہی کہ آخر ہے کون؟ چھوٹا تو وہی اس کا گالا تھا، جو اپنے سے کہیں بڑے ایک برفانی چیتے سے لاڈ میں دھینگا مُشتی کر رہا تھا۔ بڑا چیتا اپنی پُشت کے بَل چت لیٹا تھا اور اپنے پنجوں سے چھوٹے چیتے کو کِھلا رہا تھا جو مارے پیار کے اس پر پِل پِل پڑتا تھا۔



''کون ہو سکتا ہے یہ ؟'' زینب نے سوچا۔ ''شاید اس کا باپ ؟''
پھر اسے خیال آیا کہ اس کے ابّا نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ نَر چیتے
اپنے بچوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ بلکہ جب ان کی ماں انھیں جنم دیتی ہے
تب بھی وہ کہیں آس پاس نہیں ہوتے۔

اسی دوران بھُولے میں اس سے کہیں کوئی پتھر کِھسک گیا۔ بڑا چیتا یک دَم کھڑے
ہو کر غُرّایا اور زینب کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل
چُھپی بیٹھی تھی۔ مگر اس کا دل بے حد دھڑک رہا تھا۔ جیسے ہی بڑا چیتا کھڑا ہوا وہ
فوراً سمجھ گئی کہ یہ جانور دراصل ننھے چیتے کی ماں تھی۔ جو ان کے خیال میں یاسین
کی گولی سے ختم ہو چکی تھی۔



یہ وہی چہرہ تھا۔ جس نے یاسین کو نشانہ لگاتے وقت سختی
سے گھورا تھا۔ اُس وقت زینب باپ کے پیچھے کھڑی تھی اور اس نے اس چہرہ کا یہ
رنگ ڈھنگ دیکھا تھا۔ اس کا گُمان یقین میں بدل گیا، جب اس نے ننھے چیتے کی
ماں کے کندھے پر گولی کے زخم کا بڑا سا نیل دیکھا۔ زخم پر خون جم گیا تھا۔ لگتا تھا
گولی صرف گوشت کے آر پار ہو گئی تھی۔ زیادہ گہرا زخم نہ آیا تھا۔

تو اس کے باپ کی گولی سے چیتا مرا نہیں تھا! زینب اس بات سے کِھل اُٹھی۔

گولی کی چوٹ کھا کر چیتا گر پڑا تھا اور یاسین نے سوچ لیا کہ چیتا مر گیا۔

ہوا صرف اتنا کہ جانور گولی کھا کر چوٹی کی دوسری طرف جا گرا،
اور چار دن اُسے کھڑے ہونے کے قابل ہونے میں لگ گئے اور
آج وہ اپنے بچے کے ساتھ باہر تک آ گئی تھی۔



زینب کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ گولی کھا کر چیتے کی ماں نے جان بوجھ کر کنارے سے چوٹی کی طرف چھلانگ لگائی تھی، تاکہ یاسین کا دھیان اس کھوہ کی طرف نہ جائے جہاں اُس کا بچہ چھپا ہوا تھا۔ ماں کے بچ جانے کی خوشی کے ساتھ ساتھ وہ تھوڑی اُداس بھی تھی۔ اب اِس کی اور ننھے چیتے کی دوستی ختم ہو جائے گی۔

وہ آہستہ آہستہ کھڑی ہوئی۔ دُودھ اور خشک گوشت کا ایک ٹکڑا اُس نے سامنے چٹان پر رکھا۔ یہ گوشت جاڑوں میں وہ اپنی ضرورت کے لیے رکھتے تھے۔ مادہ اس کو دیکھ کر غُرّاتی رہی۔ صُبح کی دھوپ میں اس کے نوکیلے دانت، پھیلے جبڑوں میں سے چمک رہے تھے۔ ننھے چیتے نے اسے پہچان کر نرم سی آواز نکالی مگر اپنی ماں کے پاس سے ہلا نہیں۔

زینب آہستہ سے گھوم کر پلٹی اور اپنی ماں کی طرف چلنے لگی۔
اگلے دن سہ پہر کو یاسین گھر پلٹا۔ بیوی اور بیٹی کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چار اجنبی بھی اس کے ساتھ تھے۔ دو تو غیر مُلکی تھے اور دوسرے دو پاکستانی تھے۔ لیکن ان کے علاقے کے رہنے والے نہ تھے۔

اس سے پہلے کہ زینب اُسے اپنی مزے دار کہانی سُناتی یاسین گھر والوں کو ایک کونے میں لے گیا اور دُکھی آواز میں اَستور جانے کا قصہ سُنانے لگا۔

مرے ہوئے چیتے کو ڈھونڈنے میں یاسین کی مدد کرنے سے سوداگر صاف مکر گیا تھا۔ اس نے کہا ''ہمارا سودا تو اَستور میں چیتے کی کھال لانے پر طے ہوا تھا۔'' یاسین نے دو دن اور لگا دیئے کہ شاید کوئی اور جان پہچان والا اس کی مدد کر دے۔ مگر سب لوگ قانون کی پکڑ سے ڈرتے تھے اور چیتے کو گولی مارنے کے معاملے میں کوئی بھی اُلجھنا نہ چاہتا تھا۔

آخر یاسین اپنے چائے خانے والے رشتہ دار کے پاس اِس اُمید پر گیا کہ شاید وہاں سے کچھ مدد مل جائے۔ وہاں اسے یہ چاروں مل گئے جو اس وقت اس کے ساتھ آئے تھے۔ دونوں غیر ملکی تو پیشہ ور فوٹوگرافر تھے، جو جنگلی جانوروں پر ایک فلم بنانا چاہتے تھے اور دوسرے دونوں اُن کے گائیڈ تھے۔ دونوں غیر ملکی ہفتوں سے ان پہاڑوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ انھوں نے یاک، بارہ سنگھوں، پہاڑی گلہریوں، سمور دار نیولوں، بھُورے ریچھوں اور بہت سے پرندوں کی فلم بنائی تھی۔



اُن کا خواب تو یہ تھا کہ وہ واپس جانے سے پہلے برفانی چیتے کی فلم بنائیں۔
گلگت میں کسی نے انھیں یاسین کا پتہ بتایا۔ وہ اسے ڈھونڈتے چائے خانے والے تک جا پہنچے۔ غیر ملکی تو اسے دس[10] ہزار تک دینے کو تیار تھے، تاکہ وہ انہیں برفانی چیتے تک پہنچادے اور وہ اس کی تصویریں اُتار سکیں۔

تقریباً روہانسا ہو کر اُس نے بیوی کو بتایا کہ اب کس طرح وہ ہاتھ مَل رہا تھا۔ اس نے چیتے کو گولی کیوں ماری؟ اگر وہ اس کی تصویر کھنچوا سکتا تو زندہ کے دس ہزار اس کو مل جاتے۔ اس نے اب یہ سوچا کہ وہ ان دونوں کو چوٹی کے کنارے سے پرے تک لے جائے گا۔ شاید وہاں کھائی میں کوئی اور برفانی چیتا موجود ہو۔ امکان تو بہت ہی کم تھا مگر اس سے زیادہ کیا کیا جا سکتا تھا؟ جس چیتے کو گولی ماری تھی شاید وہی مل جائے۔ لیکن اس نے ابھی تک یہ نہ سوچا تھا کہ وہ غیر ملکیوں کو مُردہ چیتے کا قصہ کس طرح سنائے گا؟

زینب سارا ماجرا چُپکی بیٹھی سُنتی رہی، لیکن اب اس سے زیادہ نہ رہا گیا۔
''مگر بابا، آپ نے تو کوئی چیتا نہیں مارا۔'' اُس نے بڑے جوش سے بتایا۔
''کیا مطلب؟'' یاسین نے دھیان دیے بغیر کہا۔

زینب نے فرّاٹے سے سارا ماجرا کہنا شروع کیا۔ اس کا باپ حیران ہو کر گالے کا قصہ سنتا رہا۔ زینب کو ساری کہانی پھر دُہرانا پڑی۔ اس کے بابا کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ آخر، جب بیوی اور بیٹی سے سوال پوچھ پوچھ کر اس کی تسلی ہوئی تو اس نے سُکھ کا سانس لیا اور شُکرانے میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔

فوٹوگرافر پندرہ دن اُن کے مہمان رہے۔ انھوں نے جھونپڑی کے باہر اپنا خیمہ لگا لیا اور اپنے سفری بستروں میں سوتے رہے۔ اُن کا زیادہ تر وقت ننھے چیتے اور اس کی ماں کی تصویریں اتارنے میں گُزرتا۔ اُن کے پاس دُوربینی کیمرے تھے۔ وہ مزے سے پتھروں کے پیچھے دُبک کر بیٹھ جاتے اور تصویریں کھینچتے رہتے۔ کئی دفعہ تو انھیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا کہ روئی کا گالا کب چوٹی پر آ نکلے یا ڈھلوان تک اتر آئے۔ لیکن وہ ایسی مٹر گشت اُسی وقت ہی کرتا جب اس کی ماں آس پاس ہوتی۔

پھر ایک دن وہ دونوں وحشی جانور نظر نہ آئے۔ فوٹوگرافروں نے دو دن اور انتظار کیا اور پھر چلے گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اب ان جانوروں نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہے۔ انھوں نے جتنی فلم بنا لی تھی وہ اسی سے بہت خوش تھے۔



انھوں نے یاسین کو پوری رقم ادا کر دی جس کا انھوں نے وعدہ کیا تھا۔
لیکن اب بھی کبھی کبھار زینب اس چٹان تک چلی جاتی ہے، جہاں اس نے ایک دن روئی کے گالے اور اس کی ماں کے لیے کھانا رکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ کچھ روٹی اور پنیر بھی اپنے ساتھ لے جاتی اور وہاں چھوڑ آتی۔ ایسے موقعوں پر وہ اگلے دن ضرور پھیرا مارتی۔ اس نے ماں اور بچے کو تو پھر کبھی نہیں دیکھا، لیکن کھانا بھی وہاں نہ ہوتا۔

فرہنگ

- دل بجھنا یا بوجھل ہونا : دل اُداس ہونا۔ پریشان ہونا۔
- گائیڈ : رہنما۔ معلومات فراہم کرنے والا۔
- ان تھک کام کرنا، : مسلسل کام کرنا۔
- جان توڑ محنت : بہت زیادہ محنت کرنا۔
- امنگ چھلک چھلک پڑنا : بہت زیادہ پرامید ہونا۔ خوش ہونا۔
- تکرار : بحث
- مقدمہ ہنسی میں ٹالنا : بات کو مذاق میں ختم کر دینا۔
- آنکھوں میں تولنا : خاموشی سے کسی کو پرکھنا اور جانچنا۔
- سرگوشی : بہت آہستہ سے کان میں کچھ کہنا۔
- ٹھان لینا : پکا ارادہ کر لینا۔
- جاڑے کا موسم : سردی کا موسم
- ماجرا سنایا : کوئی واقعہ بیان کرنا۔
- جی داری : ہمت سے۔
- دُھن میں مگن : اپنے خیالوں میں مصروف۔
- بَاس : خوش بو یا بدبو کا احساس۔
- خیال کوندنا : ایک دم کسی خیال کا آنا۔
- ٹھٹھکنا : ایک دم رک جانا۔
- ٹگر : پہاڑ کی چوٹی۔ کنارا۔
- جست لگانا : چھلانگ لگانا۔
- نظریں گاڑنا : غور سے دیکھنا۔
- ہکّا بکّا : پریشان ہو جانا۔
- قہر بھری نگاہیں : آنکھوں سے غصہ جھلکنا۔ نہایت غصے میں ہونا
- میخوں : کیلیں۔
- چاق و چوبند : چست اور ہوشیار۔
- قصہ گھڑنا : کہانی بنا لینا۔
- افسانہ : من گھڑت یا جھوٹی باتیں۔
- کھڑی کی کھڑی رہ جانا : حیرت سے کھڑے رہ جانا۔
- مقابل ہونا : کسی کے سامنے ہونا۔
- موذی جانور : خطرناک جانور۔
- اوٹ سے دیکھنا : کسی چیز کے پیچھے سے جھانکنا۔
- ہَوا ہونا : تیزی سے بھاگ جانا۔
- مُکر جانا : انکار کرنا۔ قول سے پھرنا۔ بے ایمانی کرنا۔
- مٹر گشتی کرنا : چہل قدمی کرنا یا ٹہلنا۔

328

ملکیت حکومتِ پنجاب

بَرف کا گالا

نایاب جنگلی جانور نہ صرف ہمارے ملک کی شان بڑھاتے ہیں بلکہ یہ قدرتی ماحول کے توازن کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔ اُن کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری ہمارا قومی فرض ہے۔

عالمی سطح پر بھی جنگلی جانوروں کو اُن کے قدرتی ماحول میں پروان چڑھانا اور ان کی نسل کو معدوم ہونے سے بچانا، قدرتی ماحول کے تحفظ کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔

لالچ میں یاسین نے نایاب نسل کے برفانی چیتے کی کھال لانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس کی بیٹی زینب باپ کے اس فیصلے کے خلاف تھی۔ ایسے میں زینب کی ملاقات 'برف کے گالے' سے بھی ہوئی اور آخر میں پیسوں کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ یہ برف کا گالا کون تھا؟ زینب نے اس برف کے گالے کی مدد کیسے کی؟ کیا وہ کھال لانے میں کامیاب ہوا؟

جنگلی جانوروں اور ماحول کے تحفظ کے لئے لکھی جانے والی یہ کہانی یقیناً معاشرتی رویوں کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے جو اساتذہ، والدین اور خصوصاً بچوں کے لئے دلچسپی اور پُر لطف مطالعے کا باعث ہو گی۔

DFID Department For International Development

فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور راولپنڈی کراچی

PMSP Punjab

969 0 01631 8